OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

عقل و عشق: فکرِ اقبال کا ایک مطالعہ
‘*Aql* and ‘*Ishq*: A Study of Iqbal’s Thought

Dr Muhammad Amir Iqbal
Assistant Professor, Department of Urdu, University of Sialkot
Naimatullah Arshad
Doctoral Candidate, Department of Urdu, Al-Hamd Islamic University, Islamabad
Maria Bilal
Lecturer, Department of Urdu, University of Sialkot

Abstract
The themes of Fikr-e-Iqbal make us travel to the world of knowledge and literature. They promote our religious wisdom and at the same time develop the consciousness of criticism in Western ideas and theories. Wisdom holds a treasure of knowledge. Ishq and heart are the sparks from the flame of love. Ishq removes doubt and heart gives courage to conquer the world. It is the blessing of Ishq that brightens the eyes of the movement. Wisdom certainly guides us to a certain extent, but it cannot reach the truth. Understanding the truth is the treasure of the heart and ishq. After sorting out the knots of wisdom, we should pray to the God to make us the sahb-e-janon. When the intellect is freed from slavery, we will get out of the chaos

CC BY

of success and failure, and it will eventually leave the trust in means and resources. It is then that the youth will become teachers of their elders, and they will be rich in the meaning and interpretation of Iqbal's thought in the contemporary context. Thanks to wisdom, this ability becomes available that a person can say "God is one and none is worthy of worship except Him", but accepting this with the heart and eyes is the attribute of love, otherwise it cannot be accepted in its true essence and spirit. Which is to say that the intellect cannot explain even the predicate. That is why Iqbal also complained about the narrowness of the intellect. The place is bright with the light of Allah. To understand this word, the intellect has to be seen with the eyes of heart and love.

Keywords: *'Aql, 'Ishq,* Iqbal's Thought, Study

تمہید

فکرِ اقبال کے موضوعات ہمیں علم و ادب کی دنیا کا مسافر بناتے ہیں۔ ہماری مذہبی دانش مندی کو فروغ دیتے ہیں اور ساتھ ہی مغربی افکار و نظریات پر تنقید کا شعور بھی استوار کرتے ہیں۔ ہمیں اس قابل بناتے ہیں کہ ہم اپنی ملت پر قیاسِ مغرب کی خو سے باز آتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ قومِ رسولِ ہاشمیؐ کی ترکیب ہی خاص ہے۔ فلسفہ اقبال کا موضوع تھا مگر اقبال کا سرچشمہ قرآن تھا۔ بلا تخصیص مدبرین و مفکرین کے فکر و نظر کا مطالعہ اقبال کی صفت تھی مگر فکرِ اقبال کا مرکز و محور قرآن اور حدیث ہی رہا ہے۔ اس لیے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ اگر میرے دل کے آئنے میں کوئی جوہر نہیں ہے، اگر میری باتوں میں قرآن مجید کے سوا بھی کچھ ہے تو حضور والا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! آپؐ کی روشنی تمام زمانوں کے لیے صبح کا سر و سامان ہے اور آپؐ کی آنکھ، سینے کے اندر کی سب چیزیں دیکھ رہی ہے۔ آپ میری فکر و حرمت کا پردہ چاک کر دیجیے اور ایسا انتظام کیجیے کہ میرے کانٹے سے پھولوں کی یہ کیاری پاک ہو جائے۔ فکرِ اقبال میں عقل کو ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ خرد کے کمالات سے انکار ممکن نہیں مگر دل بھی اپنی قدر و قیمت کے بدولت مقاصد کی تکمیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ نصب العین کے حصول میں عشق ہی ان راہوں چلنے اور انہیں عبور کرنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے جو مشکلات و ناممکنات کا آسیب بن کر سانے کھڑا دکھائی دیتا ہے۔ ہماری بصیرت اور آگہی کا ہر پہلو فکرِ اقبال کے مطالعہ سے عبارت ہے۔ نظم و نثر کا ہر جزو فکرِ اقبال سے آگہی پا کر سراطِ

مستقیم پر سفر کرتا ہے اور شہرتِ جاوداں پا جاتا ہے۔ کلامِ اقبال کے گُل ہائے رنگا رنگ ہماری تحریر و تقریر کو دل نشیں بناتے ہیں اور موضوعات کو شائستہ تر کر دیتے ہیں۔ الفاظ اور معانی کا ایسا تنوّع شاید ہی کسی اور کے کلام کا سرمایہ ہو۔ فکرِ اقبال کا حوالہ موضوعات کی صداقت، تفسیر اور تدبیر کو معتبر ترین بنا دیتا ہے۔ صداقت ایسی جو اپنا ثانی نہ رکھتی ہو۔ تفسیر ایسی جو کہ ہر پہلو ریشم کی طرح سر سر کرتا کھلتا ہی چلا جائے اور تدبیر ایسی کہ بڑے سے بڑا نکتہ داں بھی انگشت بدنداں رہ جائے۔ یہی حسنِ فکرِ اقبال کے موضوعات کو تنقید اور تحقیق کے میزان پر پوری طرح قائم بھی رکھتا ہے اور اقبالیات کے منہاج کی توسیع اور فروغ کا ضامن بھی ہے۔ فکرِ اقبال کے موضوعات میں عقل اور عشق کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کہیں عقل کا رتبہ بلند دکھائی دیتا ہے تو کہیں عشق کا مقام سربلند ہے۔

ابن سینا اور رومی کی جلوہ نمائی

فکرِ اقبال کے مطالعہ سے معروف فلاسفر اور حکیم بو علی سینا فلسفیوں کے نمائندہ کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے اور مولانا جلال الدین رومی مذہبی فکر کے ترجمان کی حیثیت سے جلوہ نما ہوتے ہیں۔ یہ دونوں صاحبانِ فکر و نظر فکرِ اقبال میں عقل اور عشق کا جامہ پہنے نظر آتے ہیں۔ اقبال کے حسنِ ادا کو دیکھیے، کس دانش مندی سے استفہامیہ انداز اختیار کیا اور تفکر و تدبر کے ساتھ تحقیق و تنقید کا پہلو روشن کر دیا کہ:

حیراں ہے بو علی کہ میں آیا کہاں سے ہوں
رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں[1]

اقبال تھوڑی دیر ہر ایک رہبر کے ساتھ چلتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں ابھی رہبر کو نہیں پہچانتا۔ کبھی "عقل اور دل" کے ریشم میں ہاتھ الجھا بیٹھتے ہیں۔ دونوں کی گفتگو سنتے ہیں۔ عقل اپنی عظمت اور فتح یابی کا قصہ بہادری سے سنا رہی ہے۔ دل کو کہتی ہے کہ میں بھولے بھٹکے کی رہنما ہوں۔ گویا صفتِ خضر کا دعویٰ ہے۔ عقل زمین پر بھی ہو تو کہتی ہے کہ میرا گزر فلک پر ہوتا ہے۔ عقل کو اس کارِ خاص پر فخر ہے کہ وہ دنیا میں رہبری کرتی ہے۔ دل کو خون کی ایک بوند کے سوا عقل کچھ سمجھتی ہی نہیں اور یہاں تک کہہ دیتی ہے کہ:

ہوں مُفَسّر کتابِ ہستی کی
مظہرِ شانِ کبریا ہوں میں[2]

دل نے انتہائی احترام سے یہ سب تسلیم کیا اور دھیمے لہجے میں کہا کہ ہستی کے راز کو بلا شبہ تو سمجھتی ہے مگر میں آنکھوں سے سب کچھ دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ عقل کا تعلق مظاہر سے ہے جبکہ دل کہتا ہے کہ میں باطن سے بھی آشنا ہوں۔ علم بے قرار کر دیتا ہے جبکہ دل اس بے چینی کو سکون اور راحت میں بدل دیتا ہے۔ عقل کو محفلِ صداقت کی شمع سمجھیں تو خیال رہے کہ دل بھی بزمِ حسن کا دیا ہے۔ دل اپنے مقام پر فخر کا اظہار کرتا ہے جو کچھ یوں ہے:

کس بلندی پہ ہے مقام مرا
عرش ربِّ جلیل کا ہوں میں [3]

عقل کی معرکہ آرائی کا میدان

عقل کی معرکہ آرائی کا میدان نیّر و تاباں دکھائی دیتا ہے۔ وہ شاعری جس میں پیار اور محبت کا بازار گرم ہو تو وہاں عقل کی مصلحت اندیشی اور احتیاط غالب نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس عشق آدابِ مصلحت اور وضع احتیاط سے بے گانہ رہتا ہے۔ دو رویّوں کا یک جا ہو جانا ممکن بھی نہیں رہتا۔ فکرِ اقبال میں عقل اور عشق کے تصورات کی وسعت نئے امکانات کی امین ہے۔ عقل کا دل اور عشق کے معاملات سے متصادم ہو کر رد ہو جانا، یہ نہ تو فکرِ اقبال کا مقصود ہے اور نہ ہی اقبالیات کے نصاب کا نقطۂ اختتام۔ عقل کی فرماروائی سے کائنات کی تسخیر کے نئے مراحل سامنے آتے ہیں مگر خیال رہے کہ سینوں میں دھڑکتے ہوئے دل تمناؤں کی بدولت متحرک رہتے ہیں۔ آرزو اور تمنا ایسی چیز ہے جو خاک میں بھی پرواز کی قوت پیدا کر دیتی ہے۔ یہی خواہش پھر عقل اور شعور کے لیے رہبر اور رہنما بن جاتی ہے۔ آرزو کی تپش سے دل مستحکم ہوتے ہیں۔ اس طرح دل سے غیر اللہ کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے دل کو کبھی مردہ نہیں ہونا چاہیے۔ امتوں کا مرضِ کہن یہ مردہ دل ہی ہوتا ہے۔ اسے دوبارہ زندہ کرنا اشد ضروری ہے۔ انسان مقاصد کی تخلیق کے لیے جھپٹنا، پلٹنا اور پھر پلٹ کر جھپٹنا کے مراحل سے گزرتا ہے۔ لہو گرم رکھنے کے بہانے تراش لیتا ہے۔ دراصل کبوتر پر جھپٹنے میں جو لطف ہے وہ مزا کبوتر کے لہو میں بھی نہیں ہے۔ اس طرح انسان مقاصد کی تکمیل کے لیے متحرک رہتا ہے۔ مقاصد کی تکمیل کے لیے ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں، تک سفر کر لیتا ہے۔ عشق کا امتحان دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اس تحریک سے اس کا جذبۂ عشق رواں دواں رہتا ہے۔ پھر اس عشق کی بدولت آتشِ نمرود میں بے خطر کود پڑتا ہے۔ اس مرحلہ میں عقل بھی لبِ بام کھڑی محوِ تماشا رہ جاتی ہے۔ اس کے باوجود یہ خیال رکھنا چاہیے کہ عقل بھی ہر لمحہ نئی دنیا کی تخلیق میں سرگرداں ہے۔ عقل کی مصروفیت بھی قنوطے مقاصد کی تشکیل اور تکمیل ہے۔ عقل کی پرواز بھی آسمان تک ہے۔ عقل کے اس اعجاز کو رد کرنا بھی ممکن نہیں۔ زندہ قومں کا نشان یہی ہے کہ صبح و شام ان کی تقدیریں بدلتی ہیں۔ اس میں عقل کا بھرپور عمل دخل ہے۔ عقل کی بدولت مقاصد کی تخلیق پروان چڑھتی ہے۔ ان مقاصد کا حصول ایک نئے ولولے کا طلبگار ہے۔ ایک نیا شوق، ایک نیا جذبہ اور ایک نیا ذوق مقاصد کی تکمیل کے راستے پر گامزن رہتا ہے۔ یہ شوق، جذبہ اور ذوق ہی عشق ہے۔ عقل اور دل و نگاہ کا مُرشدِ اولین عشق ہی ہے۔ اگر عشق نہ ہو تو شرع اور دین تصورات کا بت کدہ بن کر رہ جائے۔ اگر عشق کے کمالات دیکھنے ہوں تو صدقِ خلیل پر نظر ڈالی جائے۔ عشق کی فراوانی کا مظہر صبر حسینؓ میں دیکھا جائے۔ اگر معرکۂ وجود کا جائزہ لیا جائے تو بدر و حنین بھی عشق کا کرشمہ ہی نظر آئے گا۔ اقبال نے فلسفیوں کو بتایا کہ انسانی عقل کو فنا ہے۔ عقل دہر کے آفات میں محصور ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود فکرِ اقبال میں عقل کو یہ درجہ ضرور حاصل ہے کہ وہ ہماری سپَر بھی بن جاتی ہے۔ عقل کے بل بوتے پر دلائل کا سہارا لے کر منزلِ مقصود کا ادراک تو حاصل کیا جا

سکتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ مقاصد پورے بھی ہو سکیں۔ نگاہ میں بھلے بصیرت کا نور ہو، مگر نورانی دل کی طلب بہت اہمیت رکھتی ہے۔ آنکھ کا نور ہی دل کا نور نہیں ہے۔ علم کا سرور جسے عقل سے ہی منسوب کیا جاتا ہے، خیال رہے کہ یہ ایسی جنت ہے جس میں حور نہ ہو۔ اقبال کے نزدیک دیوانگی کے بھی دو درجے ہیں۔ ایک وہ جس میں عقل اور شعور بھی قائم رہتا ہے اور انسان کے حواس بھی متحرک رہتے ہیں۔ اس دیوانگی کے باوجود منزلِ مقصود تک جا پہنچتا ہے۔ دوسری دیوانگی عقل اور شعور گنوا دیتی ہے۔ حوش و حواس کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ دیوانگی وہی بھلی ہے جو صداقت کی تلاش میں معاون ثابت ہو۔ جو دیوانگی متحرک رکھتی ہے وہی دل کے زندہ ہونے کی دلیل ہے۔

عقل کی افادیت

اقبال عقل کی افادیت کے بھی قائل تھے اور زندہ دلی کے جذبے سے بھی سرشار تھے۔ وہ کوہِ طور پر جلوۂ خداوندی کا نظارہ بھی چاہتے تھے بار گاہِ الٰہی میں ہوش مند رہنے کی خواہش بھی رکھتے تھے۔ اگر بندۂ مومن کی جھلک دیکھنی ہو تو نظر آئے گا کہ وہ عقل کی ہی منزل ہے اور حلقۂ آفاق میں بندۂ مومن ہی گرمئ محفل ہوتا ہے۔ اقبال عقل کے بے لگام ہونے کا قصہ چھیڑتے ہیں تو اس کا مقصد یہ ہے کہ خدا نے تو انسان کو عقل کی دولت سے مالا مال کر دیا مگر انسان نے تدبر کے ساتھ ہی چالاکی سے بھی کام لینا شروع کر دیا۔ انسان اپنی عقلمندی کی بدولت فلاح و بہبود کا کوئی کام سر انجام دیتا دکھائی نہیں دیتا۔ اقبال نے اسے عقل کی بے لگامی قرار دیا ہے۔ اس لیے ان حالات میں ہر چیز ہوس کی پجاری نظر آتی ہے۔

طاقت و قوت کی اہمیت

اقبال قوت کے قائل تھے۔ طاقت پر یقین رکھتے تھے مگر اس قوت کو دین کے تابع رکھنا ضروری قرار دیتے تھے۔ ایسی قوت کے سامنے عقل بھی نہیں ٹھہر سکتی۔ ایسی قوت کے سامنے عقل بھی خس و خاشاک بن جاتی ہے۔ کیا عقل کی پونجی میں وہم و گمان کا ہی سرمایہ ہے؟ کیا عقل بے حیثیت ہے؟ کیا عقل بے مایہ شے ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ امامت کے لائق بھی نہیں ہے اور نہ ہی یہ رہنما ہو سکتی ہے۔ اگر وہم و گمان کو ہی اپنا رہبر و رہنما مان لیا جائے تو نظام ہی درہم برہم ہو جائے۔ عقل تو آج تک اس الجھن سے ہی نہ نکل پائی کہ روح کی اصل کیا ہے؟ انسانی جسم یا مادہ پہلے کس طرح وجود میں آیا؟ زمانۂ حاضر کا انسان اس عقل کو بھی تابع فرمانِ نظر نہ کر سکا۔ آج عقل کی حدود میں فراوانی آچکی ہے مگر خیالات ہیں کہ بے ربط ہوتے جا رہے ہیں۔ عقل نے احترام کا جو بت خانہ تخلیق کیا ہے اس میں واعظ اور عارف مے خوانوں کی رونق نظر آتے ہیں۔ عقل کو اب ان بتوں سے نجات ملنا ممکن نظر نہیں آتا۔ عقل کے ساتھ دل کی محاذ آرائی ہو تو دل کا انداز ہمیں محبانہ، مشفقانہ اور ہمدردانہ ہی نظر آتا ہے۔ دل فرشِ ربِ جلیل ہے۔ اس لیے دلوں کو صاف اور ستھرا رکھنا چاہیے۔ ہماری زندگی بھی اقبال کی مانند ہونی چاہیے۔ اقبال کی جوانی صبح کے دامن کی طرح اجلی تھی۔ اس میں کوئی دھبہ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح اقبال کا دل بھی حکمت اور دانش مندی کی کتاب ہے۔

عقل عشق کی ضد نہیں

فکرِ اقبال کو توسیع دیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ عقل دراصل عشق کی ضد نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عقل تو عشق کی تمہید ہے۔ زندگی کی جن راہوں پر عقل ہمیں گامزن کرتی ہے ہم عشق کی قیادت میں اس شاہراہ پر رواں دواں رہتے ہیں۔ اقبال کے تصورِ عقل اور عشق میں کوئی حقیقی فرق تو نہیں ہے بلکہ مدارج کے ارتقاء کا فرق دکھائی دیتا ہے۔ اصل بات منزلِ مقصود پر پہنچنا اور نصب العین کا حصول ہے۔ عقل اس کے لیے سوز پیدا کرتی ہے اور پھر یہ سوز ہی عشق کے اعلیٰ مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ عصرِ رواں میں سائنسی فتوحات کا طوطی سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ اقبال نے کہا تھا کہ ہماری نگاہیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں وہ بھی لبوں تک لانا ممکن نہیں رہا۔ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اس دانائے راز نے کہا تھا کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی۔ آج عقلِ انسانی کے انتہائی عروج کے زمانے سے ہمارا گزر ہو رہا ہے۔ اقبال نے کہا تھا:

حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہُو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں[4]

ذرّے کا دل چیریں تو اس سے بھی لہُو کے فوّارے پھوٹ پڑیں۔ بظاہر دل تو ایک چھوٹی سی چیز ہے۔ اس کا ایک ذرہ اس سے بھی چھوٹا ہے۔ اس طرح کائنات کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے کی تحلیل سے ایٹمی توانائی کا جوہر حاصل کر لیا گیا۔ یہ کام عقل و خرد کا سرمایہ ہے مگر اس تخلیق کے لیے بھی جنوں اور دیوانگی کی حد تک محنت درکار ہے اور یہ محنت عشق ہی کے مرہونِ منت ہے۔ مردِ خدا کا عمل عشق سے ہی فروغ پاتا ہے۔ اصلِ حیات عشق ہی ہے اور اس پر موت بھی حرام ہے۔ زمانے کی رو جیسی بھی تُندو تیز ہو، زمانے کی سبک خرامی سے دنیا روشن ضرور ہے۔ عشق خود ہی سیلاب کی صفت سے مالا مال ہے۔ اس سیلاب پر عشق کی گرفت بھی ہے۔ عشق کی فہرست میں عصرِ رواں کی داستان ہی محفوظ نہیں بلکہ اس کی ابواب بندی میں ہر دور کے قصے محفوظ ہیں۔ بقول اقبال:

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰؐ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گِل تابناک
عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکلام
عشق فقیہِ حرم، عشق امیرِ جُنود
عشق ہے ابن السّبیل، اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات[5]

عشق اور حیات جاوید

عشق کو فنا نہیں۔ عشق کی بدولت حیاتِ جاوید میسر آتی ہے۔ یہ عشق ہی ہے جو بندۂ مومن کی صفت کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ بندۂ مومن کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے۔ اس کا ہر عمل خدا کی خوشنودی کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے کسی بھی عمل میں ذاتی اغراض کی آلودگی نظر نہیں آتی۔ یہ بندۂ مومن پر ربِ ذوالجلال کی رحمت ہوتی ہے کہ اس کے ہاتھ میں خدائے بزرگ و برتر کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ غالب آ جانا، سب کو کارِ خیر کی طرف راغب کرنا اور دوسروں کا مددگار بن جانا۔ دوسروں کے بگڑے ہوئے کام سنوارنا۔ گویا مردِ مومن کے عمل سے لوگوں کی سرگرمیاں مثبت اور متحرک راہوں پر استوار ہوتی ہیں۔ اس لیے اقبال نے کہا:

عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمیِ محفل ہے وہ[6]

عشق اور رشتۂ عبودیت

یہ عشق ربِ کائنات سے عبودیت کے رشتہ میں استحکام پیدا کر دیتا ہے۔ مردِ مومن کی گردن میں کسی بھی دوسرے معبود کا طوق نہیں ٹھہر سکتا۔ آستینوں میں بتوں کا کوئی بھی کڑا نہیں رہ سکتا۔ زبان، خاندان اور علاقے کے بتوں کی مالا گلے میں نہیں رہ سکتی۔ کسی بھی بت کی پرستش کا خیال بھی مردِ مومن کو نہیں آ سکتا۔ خدا سے تعلق قائم کر لینے کے بعد مردِ مومن تمام آقاؤں کو ٹھکرا دیتا ہے۔ مومن کی ہستی عشق پر اور عشق کا وجود مومن پر ہی موقوف ہو سکتا ہے۔ عقل کی سنگدلی اور خونریزی اگرچہ اپنا اثر قائم رکھتی ہے مگر پھر اس کے مقابلے کے لیے عشق اور بھی زیادہ خونریز ہو جاتا ہے۔ عقل کے مقابلے میں عشق کی یہ بھی ایک صفت ہے کہ دنیاوی مقاصد عشق کا حاصل نہیں۔ دنیاوی اغراض سے عشق کا دامن پاک اور صاف رہتا ہے۔ عشق کبھی کسی مقصد کے حصول میں ناجائز تدبیروں کی راہ پر گامزن نہیں کرتا۔ عشق راہِ حق پر سیلاب کی طرح رواں دواں رہتا ہے اور عقل اس تیزی سے محروم رہ جاتی ہے۔ عشق ہر ڈر اور خوف سے آزاد رہتا ہے۔ اس کے برعکس عقل اپنے مقاصد کے لیے جب بھی قدم اٹھاتی ہے تو پہلے اسباب اور وسائل پر گور کرتی ہے۔ عقل کو نتائج کی گتھی اپنے حصار سے نکلنے ہی نہیں دیتی۔ اس کے برعکس "عشق" میدانِ عمل کا شہ سوار ہے۔ وہ ہمیشہ آگے کی منزل پر نظر رکھتا ہے اور سرگرمِ عمل رہتا ہے۔ اسباب کی عدم دستیابی اس کے لیے راہ کی رکاوٹ نہیں بنتا۔ عشق صرف مقاصدِ جلیل پر نظر رکھتا ہے اور میدانِ عمل میں اتر جاتا ہے۔ عشق اپنے قوتِ بازو سے اپنے شکار پر جھپٹتا ہے جبکہ عقل کی فطرت مکاری اور فریب سے عبارت ہے۔ یہ سازشوں کا جال بچھاتی ہے۔ اس لیے اقبال نے کہا:

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ مُلّا ہے نہ زاہد نہ حکیم[7]

یہ عقل کی طرح دوسروں کا محتاج نہیں ہوتا۔ عشق اپنا جائزہ خود ہی لیتا ہے۔ انسانیت کے لیے عقل کا پیغام راحت اور شادمانی کا حصول ہے۔ زندگی کے مزے لوٹو۔ اس کے برعکس عشق خدا کا سچا اور کھرا بندہ بننے کی راہ پر چلاتا ہے۔ عشق "ماسوا" یعنی خدا کے سوا کسی اور کی بندگی، غلامی اور محکومی سے آزاد ہونے کی تلقین کرتا ہے۔ حریت سے عشق کے لیے آرام، سکون اور راحت کی دولت پروان چڑھتی ہے۔ معرکۂ حق و باطل میں عشق نے ہوس پرور عقل کو ہمیشہ شکست دی ہے۔

عقل دشمنی کے الزام کی حقیقت

علمی حلقوں نے اقبال پر عقل دشمنی کا الزام بھی صادر فرمایا مگر اقبال نے عقل اور عشق کا موازنہ بھی پیش کیا ہے۔ اقبال نے ایسا کبھی اور کہیں نہیں کہا کہ عقل کی گردن ہی اتار دی جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر حقیقت کے ادراک کا معاملہ درپیش ہو تو عقل کو ثانوی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ عقل خوف زدہ رہتی ہے۔ یہ اشک اور شبہ میں مبتلا رہتی ہے۔ اس کا سرمایہ اسے پریشان رکھتا ہے۔ اس کے برعکس عزم و استقلال اور یقیں محکم عشق کی دولت سے سرفراز ہیں۔ عقل جو تعمیر کرتی ہے اس کا نتیجہ ویرانی ویرانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مگر عشق کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ عقل کی تعمیر میں تخریب کا پہلو نظر آتا ہے۔ عقل تو "ہوا" سے بھی زیادہ سستی نظر آتی ہے۔ مگر فکرِ اقبال کی تجلیات میں عشق کم یاب ہے۔ اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔

عقل چوں باد است ارزاں در جہاں
عشق کمیاب و بہائے او گراں [8]

عقل کی فطرت میں کیسا، کیوں اور کتنا جیسے جملے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی عقل کی بنیاد ہے اور اس کے لیے استحکام بھی انہی باتوں میں مضمر ہے۔ عشق ان باتوں کا روادار نہیں ہے۔ عقل یہ سبق دیتی ہے کہ اپنے مال و زر میں اضافہ کیا جائے۔ عزت اور شہرت کے لیے کوشاں رہا جائے۔ اقتدار کی خواہش رکھنی چاہیے تاکہ اختیار مل جائے اور دونوں ہاتھوں سے سب کچھ سمیٹ لیا جائے۔ عقل خود نمائی کی قائل ہے جبکہ عشق خود کو آزمانے کا پیغام دیتا ہے اور خود احتسابی کا سبق دیتا ہے۔ اگر و قل کی خصوصیات پر غور کیا جائے تو تو فکرِ اقبال میں عقل کی یہ صفت دکھائی دیتی ہے کہ اس میں دوسروں سے سیکھنے اور کچھ حاصل کرنے کی آرزو پائی ہے۔ اس کی کوئی حد بھی نہیں ہے۔ دوسری صفت عقل کی یہ ہے کہ دوسروں سے تعلق قائم کرنے کی خوگر ہے۔ اس طرح دوسروں سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر عشق کی صفات پر غور کریں تو وہ بہت ہی اعلیٰ و ارفع ہیں۔ عشق صرف خدا کے فضل پر بھروسہ کرتا ہے۔

خرد اور خطبات اقبال

اقبال نے اپنے خطبات "تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" میں خرد کے بہت سے گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ خطبہ سوم "ذاتِ الٰہیہ کا تصور اور حقیقتِ دعا" میں مولانا جلال الدین رومی کے اشعار کا حوالہ دے کر اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت بھی کی ہے۔ مولانا روم کہتے ہیں کہ صوفی کا دل سفید برف کی طرح ہے۔ صوفی ہرن کے پاؤں کے نشانات پر چلتے ہوئے شکاری کی طرح اس کا پیچھا کرتا

ہے۔ پھر ہرن کے نافے کی خوشبو اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ مولانا روم مسلسل قدموں کے نشانات پر چلنے کو بہتر خیال نہیں کرتے بلکہ نافۂ آہو کی رہنمائی میں سفر کرنے اور منزل تک پہنچنے کو اہمیت دیتے ہیں اس خیال کی توضیح اقبال نے کچھ اس طرح کی ہے:

> "سائنسی انداز میں فطرت کا مشاہدہ کرنے والا شخص اس شکاری کی طرح ہے جو نقوشِ پا کے تعاقب میں بڑھ رہا ہو، لیکن عرفان کے حصول کے لیے اس شخص کی یہی پیاس اس مقام تک اسے ضرور لے جائے گی جہاں نقوشِ پا کے بجائے نافۂ آہو کی خوشبو اس کی رہبر بن جائے گی"[9]

قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ عرفان کے حصول میں "نقوشِ پا" اور "نافۂ آہو" دو درجے ہیں۔ یہ کوئی متبادل راہ نہیں ہے۔ اقبال کے تصورِ عقل اور عشق کی توضیح کے لیے اس انداز کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ عقل اور عشق فلاح کے متبادل راستے نہیں ہیں بلکہ درجات ہیں۔ قدرت اسے محبوب رکھتی ہے جو راہِ عمل میں گامزن ہو۔ عمل کی راہ کا شعور عقل فراہم کرتی ہے اور اس پر چلنے کا حوصلہ عشق فراہم کرتا ہے۔ اس طرح فطرت کے عناصر کا جائزہ بھی لیا جاسکتا ہے اور عرفان کی دولت سے بھی مالا مال ہو سکتے ہیں۔

خلاصۂ بحث

خرد اپنے پاس خبر کا خزانہ رکھتی ہے۔ عقل اور دل محبت کے شعلے کی چنگاریاں ہیں۔ عقل شک وشبہ کو دور کرتی ہے اور دل عالَم کو تسخیر کرنے کا حوصلہ فراہم کرتا ہے۔ یہ عقل ہی کی برکات ہیں کہ مسافروں کی نگاہیں روشن ہو جاتی ہیں۔ عقل ایک حد تک رہنمائی ضرور کرتی ہے مگر حقیقت تک نہیں پہنچا سکتی۔ حقیقت کا ادراک دل اور عشق ہی کا خزانہ ہے۔ خرد کی گتھیاں سلجھا لینے کے بعد رب سے دعا کی جانی چاہیے کہ ہمیں صاحبِ جنوں بھی بنا دے۔ جب عقل غلامی سے آزاد ہو گی، کامیابی اور ناکامی کے جھنجٹ سے نکل جائے گی، اسباب اور وسائل پر بھروسہ چھوڑ دے گی تو جوان بھی پیروں کے استاد بن جائیں گے جو عصری تناظر میں فکرِ اقبال کے مفہوم و تفسیر کی صفت سے مالا مال ہوں گے۔ خرد کی بدولت یہ صلاحیت میسّر آجاتی ہے کہ انسان "خدا ایک ہے اور اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے" کہہ دیتا ہے مگر دل و نگاہ سے یہ تسلیم کرنا، عشق ہی کی صفت ہے ورنہ خیال رہے کہ عقل تو مُدّعا تک بیان نہیں کر سکتی۔ اسی لیے اقبال نے خرد کی تنگ دامنی کا شکوہ بھی کیا ہے۔ نُورِ لاالٰہ سے جہاں روشن ہے۔ یہ کلمہ سمجھنے کے لیے بھی عقل کو دل اور عشق کی نگاہ سے دیکھنا ہو گا۔

References

[1] Allāma Muhammad Iqbāl, *Kuliyāt-e-Iqbāl: Urdu* (Lahore: Iqbāl Academy Pakistan, 2004), 6:478.
[2] Allāma Iqbāl, *Kuliyāt-e-Iqbāl: Urdu,* 72.

[3] Allāma Iqbāl, *Kuliyāt-e-Iqbāl: Urdu,* 73.
[4] Allāma Iqbāl, *Kuliyāt-e-Iqbāl: Urdu,* 302.
[5] Allāma Iqbāl, *Kuliyāt-e-Iqbāl: Urdu,* 421.
[6] Allāma Iqbāl, *Kuliyāt-e-Iqbāl: Urdu,* 424.
[7] Allāma Iqbāl, *Kuliyāt-e-Iqbāl: Urdu,* 389.
[8] Allāma Iqbāl, *Kuliyāt-e-Iqbāl: Fārsī* (Lahore: Gulām 'Alī & Sons), 109.
[9] Allāma Iqbāl, *Tashkīl-e-Jadīd Ilāhyāt-e-Islāmia,* trans. S.N Niāzī (1956), 137.